© rasailojaraid.com

تقصیر متن: مفہوم و مضمرات

ترجمۂ قرآن مجید کا علمی انتقاد

خضر یٰسین

ریسرچ اسکالر اقبال اکادمی پاکستان

تقصیر متن ہو یا تفسیر متن دونوں صاحب علم اور تربیت یافتہ قاری کے وہ تصرفات ہیں جو وہ زیر مطالعہ متن میں بہ روئے کار لاتا ہے۔ ''تقصیر متن'' سے مراد متن کی ایسی تشکیل نو ہے جس میں متن کے ناگزیر اوصاف مفقود کر دیے جائیں یا مفقود ہو جائیں، یعنی متن کی ایسی ترجمانی یا ترجمہ جس میں متن کے وہ اوصاف محو ہو جائیں جن کی اساس پر وہ متن اپنی ہستی کا جواز رکھتا ہو۔ ہر متن کے اوصاف کی دو انواع ہیں، ایک نوع ''امتیازی اوصاف'' پر مبنی ہوتی ہے اور دوسری ''ناگزیر اوصاف'' پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ''امتیازی اوصاف'' لازماً ''ناگزیر اوصاف'' ہوں، مگر ''ناگزیر اوصاف'' لازماً ''امتیازی اوصاف'' ہوتے ہیں۔ قاری کی ''تشکیل نو'' سے متن کے امتیازی اوصاف جاتے رہیں تو متن کی تقصیر نہیں ہوتی۔ لیکن جب قاری کی ''تشکیل نو'' سے متن کے ''ناگزیر اوصاف'' مفقود ہو جائیں تو یہ ''تقصیر متن'' ہے۔ متن ایک مکتوب کلام ہے، جس میں الفاظ کے ذریعے سے چند مقاصد کا ابلاغ کیا جاتا ہے، جیسے خطاب یا تقریر منطوق کلام ہے۔ کلام منطوق ہو یا مکتوب، ہر دو کی ''تشکیل نو'' ترجمانی یا ترجمے کے ذریعے سے سامع یا قاری انجام دیتا ہے۔ ''تقصیر متن'' یا ''تفسیر متن'' دونوں درحقیقت اس ترجمے یا ترجمانی کی صفات ہیں جنہیں قاری متن کی ''تشکیل نو'' میں اختیار کرتا ہے۔ ''تقصیر متن'' کے مفہوم و مضمرات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے پہلے ''کلام'' اور اس کے مضمرات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

''کلام'' دو اذہان کے مابین ابداع و اخذ معنی کا تعامل ہے، ایک ذہن میں معنی کا ابداع ہوتا ہے اور کلام کے ذریعے سے دوسرے ذہن میں اسی معنی کا اخذ ہوتا ہے۔ ابداع و اخذ کی عینیت کا امکان مخصوص صوتی اور غیر صوتی علامات پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ صوتی یا غیر صوتی علامات جن کے ذریعے سے دو اذہان کے مابین ابداع و اخذ معنی کی عینیت کا تعامل وجود میں آتا ہے ''کلام'' کہلاتا ہے۔ لہٰذا متکلم کے تعلق میں کلام علامتوں کے وسیلے سے معنی کا ''اظہار و بیان'' ہے۔ علامتی وسائل کے ذریعے سے اظہار و

☆ الضرر یزال ☆ ضرر (نقصان) کا ازالہ کیا جائے گا ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابلاغ کا یہ عمل جسے ہم کلام کہتے ہیں ہیئت کے اعتبار سے نظم اور نثر میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ نظم ونثر دراصل اظہار و بیان کی ہیئت کی صفات ہیں۔ ''نظم'' کلام یا اظہار و بیان کی ایک الگ اور مستقل ہیئت ہے، اسی طرح ''نثر'' مستقل اور جداگانہ ہیئت کلام ہے۔ لسانیاتی تاریخ میں قرآن مجید سے قبل اظہار و بیان تیسری ہیئت کا ذکر نہیں ملتا۔ تیسری نوع کی کلامی ہیئت کا تعارف قرآن مجید کے پیرایۂ اظہار و بیان سے سامنے آیا ہے۔ قرآن مجید کی کلامی ہیئت بھی ایک مستقل اور منفرد ہیئت کلام ہے۔ قرآن مجید چونکہ الوہی کلام ہے اس لیے کلام کی ایک اور تقسیم بھی وجود میں آتی ہے جسے ہم کلام کی وجودی تقسیم کا نام دیتے ہیں۔ وجودی تقسیم کے اعتبار سے ''الوہی کلام'' اور ''انسانی کلام'' کا فرق سامنے آتا ہے۔ چنانچہ کلام کی پہلی تقسیم اس کے ''وجودی منصب'' کی بنیاد پر کی جاتی ہے جس کے نتیجے مین ''الوہی کلام'' کو ''انسانی کلام'' سے الگ کیا جاتا ہے اور کلام کی دوسری تقسیم ہیئتِ کلام کی بنیاد پر کی جاتی ہے جو ''نظم''، ''نثر'' اور ''قرآن مجید'' کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ وجودی منصب حوالے سے ''الوہی کلام'' اور ''انسانی کلام'' ایک دوسرے سے ممتاز و منفرد ہیں اور ہیئتی حوالے سے نظم کو نثر سے ممتاز کیا جاتا ہے اور نثر کو نظم سے ممتاز سمجھا جاتا ہے اور قرآن مجید کی کلامی ہیئت نظم ہے اور نہ نثر ہے بلکہ وہ ''قرآن'' ہے جو ایک مستقل کلامی ہیئت ہے اور لسانیاتی تاریخ میں اپنا منفرد اور ممتاز مقام رکھتی ہے۔ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ ہیئتِ کلام کا تعلق اظہار و بیان سے ہے لہذا نظم ونثر اور قرآن مجید کی کلامی ہیئت دراصل اظہار و بیان کی صفات ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد ہیں۔ قرآن مجید نے اپنی اسی ممتاز و منفرد ہیئتِ کلام کو چیلنج کے طور پر پیش کیا ہے۔ آج تک انسان قرآن مجید کی کلامی ہیئت کو نہ اختیار کر سکا ہے اور نہ کبھی آیندہ کر سکے گا۔ فقط اتنا نہیں کہ انسان اسے اختیار نہیں کر سکا بلکہ اس کے متوازی یا مساوی ہیئت کلام کا ابداع بھی انسان کی قدرتِ نطق و بیان سے خارج ہے۔

کلام کی ہیئت ابلاغ و ترسیل معنی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ایک کلامی ہیئت سے نکل کر دوسری کلامی ہیئت میں مقاصد کا ابلاغ و ترسیل ناممکن نہ سہی مگر بعض پیچیدہ نوع کے اشکال کا باعث ضرور بن جاتا ہے۔ اگر ہیئت کلام کے تغیر سے کسی نقصان کے بغیر معنی کا ابلاغ ممکن ہو تو ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں انتقال کی دو صورتیں ہوتی ہیں، یا ہیئت کا یہ تغیر متن کے معانی کا ابلاغ زیادہ بہتر بنا دیتا ہے تو اسے ''تفسیر متن'' کہا جاتا ہے لیکن اگر ہیئت کا یہ تغیر متن کے معانی و مقاصد کے ابلاغ کو ناقص کر دے مگر سمجھا جائے کہ معانی کا ابلاغ بہر حال ہو گیا ہے تو یہ ''تصغیر متن'' کہلائے گی۔ جس ''تشکیل نو'' میں متن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے فقط امتیازی اوصاف ضائع ہو جائیں اس میں معنی کے ابلاغ میں واقع ہونے والا نقصان بہر حال قابل تلافی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نوع کے نقصان سے متن کی تصغیر وقوع پذیر ہوتی ہے، یعنی متن کے مطالب ومعانی کا ابلاغ کم تر درجے کی ترجمانی کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ لیکن اگر ''تشکیل نو'' میں متن کے ''ناگزیر اوصاف'' مفقود کر دیے جائیں تو ابلاغ وترسیل معنی میں واقع ہونے والا نقصان نا قابل تلافی ہوتا ہے جس سے متن کی تصغیر نہیں ہوتی بلکہ متن کی تقصیر ہوتی ہے۔ ہمیں یہاں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ''تصغیر متن'' سے مراد متن کی ایسی ''تشکیل نو'' ہے جس میں متن کے ''امتیازی اوصاف'' مفقود کر دیے جاتے ہیں۔ جب کہ ''تقصیر متن'' میں متن کا ایسا ترجمہ یا ترجمانی کی جاتی ہے جس میں متن کے ''ناگزیر اوصاف'' محو ہو جاتے ہیں۔ ''انسانی کلام'' کی ہیئت کو ترک کرنے سے متن کے فقط امتیازی اوصاف محو ہوتے ہیں جیسے شعر کو نثر میں بیان کرنے سے متن کی تصغیر ہوتی ہے، کیوں کہ اس سے بیان کی ایک ایسی صفت مفقود ہوئی ہے جو جمالیاتی اعتبار سے زیادہ بہتر تھی اور قاری یا سامع کے لیے زیادہ لائق التفات تھی۔ کلام کے جمالیاتی وصف کا ضیاع یقیناً ایک قابل لحاظ نقصان ہے بایں ہمہ یہ متن کی ''تقصیر'' نہیں کہلا سکتا۔ شعر کو نثر بیان کیا جا سکتا ہے، بعض اوقات ایسا کرنا ممکن ہے زیادہ موزوں ہو اسی طرح نثر کو شعر کی صورت دی جا سکتی ہے۔ ''انسانی کلام'' کی ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں منتقل ہونا ممکن ہے اور بعض اوقات ایسا کرنا ناگزیر ہوتا ہے باوجودیکہ یہ انتقال سلیم طبائع کے لیے معیوب امر متصور ہوتا ہے۔ مگر جہاں تک ''الوہی کلام'' کی ''تشکیل نو'' یا ترجمہ یا ترجمانی کا تعلق ہے تو اس سے متن قرآن کی ہیئت کو ترک کرنا پڑتا ہے جو قرآن مجید کا فقط ''امتیازی وصف'' ہی نہیں بلکہ اس کا ''ناگزیر وصف'' ہے جس کے مفقود ہو جانے کا مطلب قرآن مجید کا مفقود ہو جانا ہے اور یہی وہ شے ہے جسے ہم ''تقصیر متن'' سے یہاں تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید کا ترجمہ ''قرآن صغیر'' نہیں ہے، وہ کسی حوالے سے بھی قرآن نہیں ہے۔

ہیئتِ کلام معنی کے ابلاغ وترسیل میں جو کردار ادا کرتی ہے یقیناً وہ اہم اور بنیادی نوعیت کا ہوتا ہے۔ ہیئتِ کلام کو بالعموم معنی کے ابلاغ وترسیل میں تاثیر پیدا کرنے والے عنصر کی حیثیت سے موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔ شعر کی تاثیر نثر کی تاثیر سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ نثر سے پیدا ہونے والی تاثیر کا مقابلہ یا موازنہ شعر کی تاثیر سے نہیں کیا جا سکتا، باوجودیکہ شعر اور نثر میں معنی کے ابلاغ وترسیل میں بہت زیادہ فرق واقع نہیں ہوتا۔ معنی کا ابلاغ ہی موضوع ہو تو کلام کی مذکورہ دونوں ہیئتیں ایک دوسرے کے بالکل متوازی نہ سہی مگر ایک دوسرے سے اتنا دور بھی نہیں کہ ایک کی موجودگی دوسرے کی نفی متصور ہو۔ لیکن اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معنی کے ابلاغ و ترسیل میں تاثیر کے ہونے کو ناگزیر ہی فرض کر لیا جائے تو شعر کو نثر پر بہر حال ایک درجہ کا تفوق حاصل ہے۔ اسی تاثیر کے حوالے سے دیکھیں تو ایک شعلہ بیاں خطیب خطابت کے زور پر معنی کے ابلاغ کے ساتھ تاثیر پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ہیئت کی اس نوع کا تعلق ہے جو ''الوہی کلام'' کا ناگزیر وصف ہے تو وہ شعر ہے اور نہ نثر ہے، اندریں صورت اس کے ابلاغ و ترسیل معنی کو تاثیر سے مربوط کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لیے کہ وہ نظم و نثر سے بہت بلند و بالا ہیئت ہے۔ اسے اپنی صحت اور علوِ مرتبت کے لیے انسانی کلام کے معیارات پر پورا اترنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنی ہیئت کے درست ہونے کا معیار خود ہے اور ماسوا سے مستغنی ہے۔ لسانیاتی اعتبار سے قرآن مجید کی کلامی ہیئت کے لیے غیر قرآنی معیار اس لیے بے معنی شے ہے کہ اس کے متوازی کسی اور کلام کا کوئی ایسا ہیئتی معیار موجود ہی نہیں ہے جس کے پیش نظر اسے پرکھا جا سکے۔ قرآن مجید کی کلامی ہیئت کے ذریعے سے معنی کے ابلاغ و ترسیل سے وابستہ تاثیر ساقط نہیں ہوتی مگر فقط تاثیر سے کلام اللہ کے کلامی ہیئت کے علو کو پرکھنا ناممکن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ امور کلام اللہ کی کلامی ہیئت کے لیے معیار کی حیثیت نہیں رکھتے۔ قرآن مجید کے اظہار و بیان کی ہیئت اس کے معنی کے کشف و وضوح میں اتنا ہی موثر ہے جتنا معنی کے ابلاغ کی باریکیوں سے تاثیر کا عنصر وابستہ ہے۔

قرآن مجید کی کلامی ہیئت کے بارے میں بنیادی نوعیت کا ایک سوال جب تک حل نہ کر لیا جائے اس وقت تک قرآن مجید کی ''تقصیرِ متن'' کا مسئلہ ناقابل فہم رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کی کلامی ہیئت قرآن مجید کے معانی کے ابلاغ و ترسیل میں کیا کردار ادا کرتی ہے؟ قرآن مجید کی کلامی ہیئت جن معانی کے ابلاغ و ترسیل کی ضامن ہے، کیا ان معانی کے لیے اس ہیئت کی حیثیت ''ناگزیر ظرف'' کی ہے یا ان معانی کا محل و مستقر غیر قرآنی ہیئت بھی ہو سکتی ہے؟ کیا قرآن مجید میں بیان کیے جانے والے مقاصد کی الوہیت کو غیر الوہی بیان میں قائم و برقرار رکھنا ممکن ہے؟ اگر قرآن مجید کے معانی و مطالب کے ابلاغ کے لیے قرآن کی کلامی ہیئت ''ناگزیر ظرف'' کی حیثیت نہیں رکھتی تو پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی ''تصغیر'' ہو سکتی ہے یعنی قرآن مجید کے ترجمہ کو بلا تردد ''قرآنِ صغیر'' کہا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں ترجمہ قرآن مجید کے محض ایک امتیازی وصف سے محروم ہوا ہے اور قرآن مجید کا اصل متن محض ایک امتیازی وصف سے اپنے ترجمے پر فوقیت رکھتا ہے۔ ترجمہ بھی اسی طرح ان الوہی مقاصد کا حامل ہے جس طرح خود قرآن مجید ہے۔ متن قرآن کو ترجمے پر فقط یہ فوقیت حاصل ہے کہ اس کے الفاظ

☆ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام ☆ جب حلال و حرام جمع ہو جائیں تو حرام غالب ہوگا ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے معانی کی طرح ''منزل من اللہ'' ہیں، ورنہ جہاں تک الوہی معانی کے محل و مستقر ہونے کا تعلق ہے تو ترجمہ اور متن قرآن یکساں حیثیت کے حامل قرار پاتے ہیں۔ لیکن اگر قرآن مجید کی کلامی ہیئت قرآن مجید کے معانی کے لیے ''ناگزیر ظرف'' کی حیثیت رکھتی ہے تو یہ طے ہے کہ اس ہیئت سے باہر قرآن مجید کے معانی کا وقوع ناممکن ہے، یعنی قرآن مجید میں بیان کیے جانے والے الوہی مقاصد کا محل و مستقر غیر الوہی بیان نہیں ہوسکتا۔

قرآن مجید کا ترجمہ یا ترجمانی متن قرآن کی ''تقصیر'' ہے اور متن قرآن کی ''تقصیر'' کا یہ عمل ایک نہیں دو مرحلوں پر مشتمل ہے۔ ''تقصیر'' کا پہلا مرحلہ اس وقت وجود میں آتا ہے جب ''الوہی کلام'' کو ''انسانی کلام'' میں بدلا جاتا ہے۔ ترجمہ انسانی کلام ہے اور قرآن مجید کا متن ''الوہی کلام'' ہے۔ ''الوہی کلام'' کا ''انسانی کلام'' کے درجے پر ہبوط فی نفسہ ایک ایسا عمل ہے جسے بلاتردد ''تقصیر متن'' کہا جاسکتا ہے۔ الوہی ہونا یا انسانی ہونا کلام کا وجودی وصف ہے، کلام کا وجودی وصف بدل جائے یعنی ''الوہی کلام'' انسانی کلام کی صورت میں بدل دیا جائے تو ''تقصیر متن'' واقع ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید کے ترجمہ کی صورت قرآن مجید کی تقصیر کا دوسرا مرحلہ وہ ہے جو ہیئتِ کلام کے بدلنے سے وجود میں آتا ہے۔ قرآن مجید کی کلامی ہیئت انسان کے لیے قابل ابداع نہیں ہے۔ انسان کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ قرآن کی کلامی ہیئت کو کام میں لاسکے، لہٰذا جب قرآن مجید کا ترجمہ کیا جائے گا تو ترجمے میں اس کلامی ہیئت کو پیدا نہیں کیا جاسکے گا جو قرآن مجید کا ''ناگزیر وصف'' ہے، لامحالہ کسی دوسری ہیئت کو اختیار کیا جائے گا جس کا نتیجہ ''تقصیر متن'' کی صورت میں سامنے آئے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ ممکن ہے نہ ترجمانی ممکن ہے۔ قرآن مجید کو الوہی کلام اور اس کی ممتاز و منفرد ہیئت کو الوہی معانی کے بیان کے لیے ناگزیر نہ سمجھا جائے تو پھر اس کا ترجمہ ہیئت سے محرومی کے ساتھ ممکن ہو جائے گا۔ ترجمہ یا ترجمانی کرنے والا غیر شعوری طور پر دراصل قرآن مجید کو محض ایک عربی متن خیال کرتا ہے اور اسے ان ''ناگزیر اوصاف'' کا حامل متن نہیں سمجھتا جن سے قرآن مجید کا الوہی کلام ہونا مشروط ہے۔ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے والا غیر شعوری طور پر ان منکرات کو قبول کرنے کے بعد ترجمے کی جسارت کرتا ہے۔ قرآن مجید کو قرآن مجید یا الوہی کلام ماننے اور اس کی کلامی ہیئت کا ادراک کر لینے کے بعد اس عظیم کلام کا متبادل بیان وضع کرنے یعنی ترجمہ کرنے کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔ یاد رکھیے متن کا ترجمہ اس کا ''متبادل بیان'' ہوتا ہے اور قرآن مجید کا متبادل بیان غیر شعوری میں ہی وضع کیا جاسکتا ہے، ورنہ اس کا دور دور تک کوئی امکان نہیں ہے۔

☆التاسیس خیر من التاکید ☆ تاسیس تاکید کی نسبت بہتر ہوتی ہے☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید کا ترجمہ کرنے والا پہلے مرحلے میں جس ابتلا کا شکار ہوتا ہے وہ قرآن مجید کے ''ناگزیر اوصاف'' کو ''امتیازی اوصاف'' فرض کر لینا ہے۔ کسی بھی متن کے امتیازی اوصاف اسے محض دیگر متون سے ممتاز کرتے ہیں، جب کہ متن کے ''ناگزیر اوصاف'' اسے دیگر متون سے فقط ممتاز ہی نہیں کرتے بلکہ اس متن کے ''وجود'' کا انحصار انہی اوصاف میں مضمر ہوتا ہے۔ متن کے ''ناگزیر اوصاف'' کی حیثیت متن کے لیے وجودی شرائط کی ہے، یعنی اگر وہ شرائط موجود نہیں ہوں گے تو وہ متن باقی ہی نہیں رہے گا۔ قرآن مجید کا الوہی کلام ہونا اس کی محض امتیازی صفت نہیں بلکہ یہ قرآن مجید کے قرآن ہونے کی ''ناگزیر صفت'' ہے کیونکہ اس کا قرآن ہونا اس کے الوہی ہونے کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر وہ الوہی کلام نہیں تو پھر وہ قرآن بھی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر وہ اس مخصوص ہیئت میں نہیں ہے تو پھر بھی وہ الوہی کلام ہے نہ قرآن ہے۔ مترجم بلا وجہ یہ خیال کر لیتا ہے کہ قرآن مجید کے معنی و مفہوم کو قرآن مجید کے ''ناگزیر اوصاف'' کے بغیر بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ گویا قرآن مجید کے معنی کو غیر الوہی کلام کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے نیز قرآن مجید کی کلامی ہیئت قرآن مجید کے معنی و مفہوم کے لیے ''ناگزیر ظرف'' کی حیثیت نہیں رکھتی۔ بالفرض قرآن مجید کی کلامی ہیئت قرآن مجید کے معانی کا ناگزیر محل و مستقر نہیں ہے تو پھر اس ہیئت میں غیر قرآنی معانی و مطالب کو بیان کرنا بھی ممکن ہوتا، لیکن جب یہ امر طے ہے کہ قرآن کی کلامی ہیئت میں غیر قرآنی معانی و مطالب کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے تو اس ہیئت کے لیے تو صرف قرآن مجید کے معانی و مطالب ہی باقی رہتے ہیں جن کا وہ محل و مستقر بن سکتی ہے۔ قرآن مجید کی کلامی ہیئت کے لیے قرآن کے مطالب و مفاہیم ہی محتویات ہیں تو ان کے لیے غیر الوہی ہیئت کلام کیسے کارآمد ہو سکتی ہے؟

اگر قرآن مجید کو الوہی کلام نہ سمجھا جائے تو پھر اس کی حیثیت محض ایک ادبی شہ پارے کی ہوگی۔ ایک ایسا بے نظیر شہ پارہ جس کی کلامی ہیئت آج تک انسان وضع نہیں کر سکا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مستقبل میں بھی کوئی قادر الکلام انسان ایسا نہیں کر سکے گا۔ قرآن مجید کے ''الوہی کلام'' ہونے کا تصور ایک ''مذہبی عقیدہ'' ہے۔ ''مذہبی عقیدے'' کو اگر انسان کی عقل و فکر پر مبنی زندگی میں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے تو اس سے دست بردار ہونا آسان کام ہے۔ لیکن اگر مذہبی عقیدے کو انسان کے نظری تصورات پر کسی نوع کی فوقیت حاصل ہے تو ہماری ہر علمی جدوجہد میں اسے نمایاں مقام حاصل ہونا ضروری ہے۔ تمام انواع کے نظری تیقنات سے کہیں زیادہ یقینی انداز میں یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی

البينة على من ادعى واليمين على من انكر ☆ گواہ لانا مدعی کے ذمہ اور قسم منکرِ دعوی کے ذمہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثل کلامی ہیئت نوع انسانی کے لیے نا قابل ابداع ہے۔ جس کی بنیاد پر ماضی، حال اور مستقبل کے انسانوں کے بارے میں فیصلہ کن انداز میں کہا جاتا ہے کہ وہ اس کی مثل پیدا نہیں کر سکتے۔ اسی عقیدے کی بنیاد پر قرآن مجید کا ''وجودی منصب'' ممتاز و منفرد ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ متحقق ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ''الوہی مقاصد'' کو انسانی کلام میں ناقص یا کامل بیان کرنا ممکن ہے تو اس کا یہ خیال لاکھ حسن ظن یا حسن نیت پر مبنی ہی قائم کیوں ہو، زیادہ سے زیادہ اس کے ایمان کی نفی میں مانع ہوگا یعنی حسن نیت کی بنا پر اس کے صاحب ایمان ہونے کی نفی نہیں کی جا سکتی اس کا یہ اقدام علماً اور ایماناً کسی طور قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ یہ خیال کرنا کہ الوہی کلام کا متبادل بیان ممکن ہے صرف ایمانی شعور کے مبادیات سے محرومی کو ہی ظاہر نہیں کرتا بلکہ علمی شعور کی تربیت یافتہ ہونے کا تقاضا بھی کرتا ہے۔ شعور علمی اور شعور ایمانی کے تقاضوں سے کامل آگہی رسوخ فی العلم اور رسوخ فی الایمان کے بغیر میسر نہیں آتی۔

انسانی کلام کا تجزیہ و تحلیل جس درجے کا بھی ہو اس کا ''وجودی منصب'' بہرحال قائم رہتا ہے، انسانی کلام کے تجزیہ و تحلیل سے وہ مشکل پیدا نہیں ہوتی جو ''الوہی کلام'' کے تجزیہ و تحلیل سے واقع ہو جاتی ہے۔ ''الوہی کلام'' کا تجزیہ و تحلیل اس کے ''وجودی منصب'' اور اس منصب سے وابستہ ''تقدس'' کے منافی طرز عمل ہے۔ قرآن مجید کا ترجمہ کرتے ہوئے اس کے معانی کو ''الوہی الفاظ'' سے الگ فرض کرنا پڑتا ہے، وہ تقسیم جس میں لفظ کو معنی سے جدا کیا جا سکتا ہے جس امکان کی نشاندہی کرتی ہے، انسانی کلام میں جائز اور ایک طرح سے علمی کارنامہ فرض کی جا سکتی ہے۔ مگر ''الوہی کلام'' میں یہ علمی کارنامہ ''الوہی متن'' سے محروم کر دینے کا باعث بن جاتا ہے۔ اگر قرآن مجید کا ترجمہ ممکن ہے تو قرآنی الفاظ و تراکیب کو علیٰ حالہٖ قائم و برقرار رکھنے پر اصرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ''کلام اللہ'' کے ترجمے کا امکان اسے انسانی کلام بنا دیتا ہے جس میں معانی کے ابلاغ کو اظہار و بیان پر تقدم حاصل ہوتا ہے۔ اگر معنی کا ابلاغ ہی اصل ہے جیسا کہ انسانی کلام میں سمجھا جاتا ہے تو چاہے انسانی کلام کی صورت میں ہو یا الوہی کلام کی صورت میں ہو، اگر معنی کا ابلاغ ہو جائے تو دونوں صورتیں حصول مدعا میں یکساں حیثیت کی حامل ہیں۔ مگر الوہی کلام میں لفظ کو معنی پر وہ تقدم حاصل نہیں ہے جس میں لفظ کو ترک کرنا ممکن ہو، الوہی کلام میں الوہی الفاظ الوہی معنی کی طرح اپنے وجودی منصب سے دور نہیں کیے جا سکتے، الوہی الفاظ کو الوہی معنی کی طرح علیٰ حالہٖ واجب ہے۔

قرآن مجید کا ترجمہ کرنے والا اگر اپنے کام کا جائزہ لے تو اس نے ''الوہی کلام'' کا متبادل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کلام وضع کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ متبادل کلام انسانی ہے، ''الوہی کلام'' کو انسانی کلام کی صورت دینا تربیت یافتہ ایمانی شعور کے لیے قابل فخر کارنامہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ ''الوہی کلام'' کا انسانی کلام کی صورت میں پیش کرنا بالفرض ممکن ہو بھی تو یہ ایک احساس محرومی کو فروغ دینے والا کام ہے، قابل فخر اقدام نہیں ہے۔ جو قاری قران مجید کے ترجمہ پر قناعت کرتا ہے وہ کیسے یہ فرض کرسکتا ہے کہ اس نے ''الوہی کلام'' میں مضمر مقاصد تک رسائی حاصل کرلی ہے؟ تربیت یافتہ مذہبی شعور ''الوہی کلام'' سے محرومی کی کسی صورت پر قناعت کرنا پسند نہیں کرسکتا۔ ''الوہی کلام'' ایسی شے نہیں جس کے مضمرات کو کسی بھی صورت میں نظر انداز کرنا جائز ہو یا ممکن ہو۔ قرآن مجید کو ''الوہی کلام'' ماننے والا اس کا بدل کلام تیار کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی اس کا بدل کلام وضع کرنے کی سعی کرتا ہے تو وہ یہ سمجھنے سے یقیناً محروم ہے کہ ایسا کرنا عملی اعتبار سے ممکن ہے نہ ایمانی لحاظ سے قابل اعتنا ہے۔

مسلمانوں کی علمی تاریخ میں خلق قرآن کا مسئلہ اسی مشکل کا احصا کرتا ہے، اگر قرآن مخلوق ہے تو اس کو مخلوق کلام کی صورت دینا ناممکن نہیں لیکن اگر یہ ''الوہی کلام'' ہے اور مخلوق نہیں ہے تو اس کو مخلوق کلام کی صورت میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہدایت کے تناظر میں یہ مسئلہ اور زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید نبی ﷺ کے لیے جن معنوں میں ہدایت ہے فقط انہی معنوں میں ''ہدایت'' ہے۔ قرآن مجید سے فقط وہی ہدایت میسر آسکتی ہے جو پیغمبر ﷺ کو میسر آئی ہے، جو کوئی قرآن مجید سے اسی ہدایت کا خواستگار نہیں، وہ گمراہی کا طلب گار ہے۔ اس صورت میں جب کہ قرآن مجید کا ترجمہ ''الوہی کلام'' ہے نہ ''قرآن'' ہے، جس کا مطلب ہے کہ ترجمہ نبی ﷺ کے لیے ''ہادی'' نہیں بن سکتا، تو جو شے نبی ﷺ کے لیے ''ہدایت'' کا باعث نہیں اسے امتی کے لیے ہدایت فرض کرنا اگر گمراہی نہیں تو کیا ہے؟ جب علمی تقاضے ایمان کے منافی اقدام کو مرغوب بنانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ایمانی تقاضوں کا شعور پنپتا ہے اور نہ باقی رہتا ہے۔ علمی اعتبار سے اس کا دور دور تک کوئی امکان نہیں کہ قرآن مجید کی کلامی ہیئت کا ادراک کرلینے کے بعد اس کے مطالب کے بیان کے لیے کوئی اور ہیئت کلام اختیار کی جاسکتی ہے اور ایمانی اعتبار سے اس کا دور دور تک کوئی امکان نہیں کہ قرآن مجید کو ''کلام اللہ'' مان لینے کے بعد اسے انسانی کلام میں بدلنے کی سعی کی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید کے ترجمے سے نہ ''قرآن'' باقی رہتا ہے اور نہ وہ ''ہدایت'' باقی رہتی ہے جو فقط ''کلام اللہ'' ہونے سے مشروط ہے۔ مترجم کو اگر یہ خیال ہے کہ اس کے اقدام سے ''قرآن'' تو باقی نہیں رہا مگر وہ ''ہدایت'' باقی ہے جو قرآن مجید کے ''کلام اللہ'' کے ساتھ مشروط ہے تو وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید کے ''ہدایت'' ہونے کا شعور حاصل کرنے میں یقیناً ناکام ہے۔

''کلام اللہ'' ہونے کی بنا پر قرآن مجید کا ترجمہ ممکن نہیں البتہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جب قرآن مجید کے ''ناگزیر اوصاف'' کو اس سے الگ کر لیا جائے تو وہ محض ایک عربی متن ہے اب اس کا ترجمہ ممکن ہے۔ قرآن مجید کا ''ہدایت'' ہونا اس کے ''الوہی کلام'' ہونے کے ساتھ مربوط اور مشروط ہے۔ ترجمہ کی صورت میں ''کلام اللہ'' ہی باقی نہیں رہا تو اس کے ساتھ وابستہ ہدایت کا مفقود ہونا بالکل بدیہی بات ہے۔ قرآن مجید کے معانی کو متن سے جدا کرتے ہی اس کا وجودی منصب ضائع ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وجودی منصب کا لازمہ یعنی ''الوہی ہدایت'' بھی ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید کا خلاصہ ممکن ہے نہ تفصیل و تفسیر ممکن ہے۔ قران مجید کی تلخیص، تفصیل، تفسیر اور تقصیر ایسے اقدامات ہیں جن کا ''مفروضہ اولیہ'' قرآن مجید کی ''الوہی صورت'' (مابین الدفتین) میں انسانی مداخلت سے پیدا ہونے والے تغیر کو جواز ہے۔ ''کلام اللہ'' کی الوہی صورت میں انسانی مداخلت سے پیدا کیا جانے والے تغیر کی جو بھی وجوہات اور مصالح ہوں ان سب سے زیادہ اہم وجہ اور مصلحت اس ''ہدایت'' قائم و برقرار رکھنے میں مضمر ہے جو اس کی ''الوہی صورت'' سے باہر ممکن نہیں ہے۔ ''الوہی کلام'' کی الوہی صورت اس کی الوہی ہیئت کی ضامن ہے اور الوہی ہیئت اس کے الوہی ہدایت ہونے کی شرط ہے، الوہی صورت کے بغیر الوہی ہیئت قائم و برقرار نہیں رہ سکتی اور الوہی ہیئت کے بغیر الوہی ہدایت کے تمام امکانات معدوم ہو جاتے ہیں۔

متن کی معنوی تقصیر کا شعور اس کی ہیئتی تقصیر سے زیادہ بڑی مشکل پیدا کر دینے کا باعث بنتا ہے۔ معنوی تقصیر کا شعور فرق مراتب کے شعور سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اپنے تفہیم و ادراک کے لیے خاصی ذہنی محنت کا طالب ہے۔ بالفرض مان لیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے معانی کا ابلاغ اس کی کلامی ہیئت اور وجودی منصب سے زیادہ ضروری ہے۔ انہیں ترک کر دینے سے اس درجے کی مشکل پیدا نہیں ہوتی جو قرآن مجید کے معانی کے عدم ابلاغ کی صورت میں ہوتی ہے۔ گویا قرآن مجید کے معانی کا ابلاغ اس کی کلامی ہیئت میں مقید نہیں ہے اور نہ ہی ''منزل من اللہ'' الفاظ سے مشروط ہے۔ معانی کو اظہار پر معنوی تقدم حاصل ہے لہٰذا معانی کے اظہار و بیان کا پیراہن تبدیل کر دینے سے کوئی بہت بڑا فرق نہیں پڑتا۔ زیادہ سے زیادہ متبادل اظہار و بیان کی تقید کی جاسکتی تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ قرآن مجید کے معانی کا ابلاغ ہو سکا ہے یا نہیں۔ اظہار و بیان کا ثانوی ہونا اور معانی کا مقدم ہونا بالعموم بدیہی امر خیال کیا جاتا ہے اور یہ انسانی کلام میں واقعتاً بدیہی ہے کہ معانی کو اظہار و بیان پر وہی تقدم حاصل ہے جو مقصد کو ذریعے پر حاصل

☆جلبِ مصلحت کی نسبت مفاسد کو دور کرنا زیادہ بہتر ہے☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ معانی کی حیثیت مقصد کی ہے اور اظہار و بیان کی حیثیت وسیلے کی ہے، مقصد کے قائم و برقرار رکھنے پر اصرار کرنا ایک جائز علمی مطالبہ ہے جبکہ وسائل کے قائم و برقرار رکھنے پر ضرورت سے زیادہ زور دینا علمی طرز عمل کے منافی ہے۔

مذکورہ بالا فرض کو ہم نے اس لیے بیان کیا ہے تاکہ قرآن مجید کے متن کی ''معنوی تفسیر'' کا جو رویہ مسلم دنیا میں نشو ونما پا چکا ہے اس کے محرکات کو بیان کر دیں۔ اور پھر یہ عرض کریں کہ انسانی کلام کے بارے میں اس مفروضے کے اہم تر اور درست ہونے کے باوصف قرآن مجید کے لیے اس کی حیثیت کیا ہے اور اس سے علم و ایمان کے لیے کتنے پیچیدہ مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ انسانی کلام کے جن امور کو علمی استناد حاصل ہے ''الوہی کلام'' کے لیے انہیں علمی استناد میسر ہے اور نہ ایمانی سند دی جا سکتی ہے۔

فرق مراتب کا شعور کیا ہے؟ اور کیسے ممکن ہوتا ہے؟ ان مسائل کا ادراک اور حل جس ذہن میں واضح نہیں، اس پر قرآن مجید اور اس کی علمی اور ایمانی حیثیت کا عیاں ہونا تو دور کی بات ہے، روز مرہ کی اشیا و اعمال اور فضائل و اقدار کی معنویت اور اس معنویت کی قدر و قیمت کا احساس کبھی نہیں ہوتا۔ مذہبی عقیدہ کی نسبت پورے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ انسان کا وہ یقین ہے جو حقیقت کے بارے میں اسے ''بالواسطہ'' حاصل ہوتا ہے۔ جب حقیقت کا وجود کشف و وضوح کی اس کیفیت پر فائز ہو کہ اس سے اعراض ممکن ہو نہ اعتراض یہ ''عقیدہ'' کہلاتا ہے۔ مسلمانوں کے مذہبی عقیدے کی رو سے قران مجید ''الوہی کلام'' ہے، اس کے الفاظ ''منزل من اللہ'' ہیں، اس کی آیات اور سور کی ترتیب تک ''توقیفی'' ہے۔ بالفرض الوہی الفاظ و کلمات پر مشتمل الوہی ہیئت کلام کو ترک کر دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور معانی و مطالب کو اظہار و بیان پر اسی طرح کا تفوق حاصل ہے جس طرح انسانی کلام میں ہوتا ہے تو کلام کی وجودی تقسیم میں ''الوہی کلام'' کو انسانی کلام سے ممتاز کرنے کی کوئی احتیاج نہیں رہتی۔ لیکن اگر ''الوہی کلام'' اور انسانی کلام کی تقسیم مبنی برحق ہے اور حقیقت ہے تو ''الوہی کلام'' کے معانی کو الوہی اظہار و بیان سے اور الوہی اظہار و بیان سے اس کے معانی و مطالب سے جدا کرنا ممکن نہیں ہے۔ انسانی کلام میں اظہار و بیان کو وسیلے کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، اسی وجہ سے ایک انسانی کلام میں مضمر معانی و مطالب کو دوسرے انسانی کلام میں زیادہ بہتر بیان کرنے کا امکان موجود رہتا ہے۔ لیکن اگر پہلا بیان اعلیٰ ترین درجے کی بلاغت کا حامل ہو تو دوسرے بیان کی ضرورت کو محض اس بنیاد پر ساقط نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس درجے کی بلاغت کا حامل نہیں ہے جس سے پہلا بیان متصف ہے۔ گویا انسانی کلام کی اعلیٰ ترین فصاحت و بلاغت

☆ اذا تعارض الحقوق قدم سنها المضيّق ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متبادل بیان وضع کرنے میں مانع نہیں ہوتی، اس لیے کہ انسانی کلام میں اظہار و بیان کو بہر حال وسیلے کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی صورت ہے جسے ''الوہی کلام'' کے حوالے سے فرض کرنا بھی محال ہے۔ قرآن مجید کے اظہار و بیان سے زیادہ بہتر قرآنی مقاصد کا اظہار و بیان ممکن نہیں ہے، اور نہ ہی قرآن مجید کے اظہار و بیان سے ناقص بیان کوئی معنی کے ابلاغ و ترسیل میں کوئی معنی رکھتا ہے۔ قرآن مجید کی کلامی ہیئت کو بالفرض یہ غیر معمولی کمال حاصل یہ بھی ہوتا تو بھی اسے متبادل بیان میں پیش کرنا ناممکن تھا، وجہ بالکل ظاہر ہے کہ ''الوہی بیان'' کو انسانی بیان دینا ممکن نہیں ہے۔ قرآن مجید کے مطالب و مفاہیم کو غیر قرآنی ہیئت کلام میں وہ کشف و وضوح نہیں دیا جا سکتا جو قرآن مجید کی کلامی ہیئت میں اسے حاصل ہے۔ بات فقط معنی کے کشف و وضوح کی ہو تو قرآن مجید کے مطالب کا ناقص کشف و وضوح بھی کسی نہ کسی سطح پر قابل قبول ہو سکتا ہے، اصل مشکل اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ہم یہ فرض کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ ''کلام اللہ'' کا بدل انسانی کلام کی صورت میں ممکن ہے۔

لفظ کو معنی کے لیے ظرف کی حیثیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ ایک سے زیادہ معانی کا احصا کرتا ہو، لیکن جب لفظ معنی میں مکمل طور پر صرف ہو جائے تو لفظ ''مظروف'' ہوتا ہے اور معنی کی حیثیت ''ظرف'' کی ہوتی ہے۔ ظرف اصولاً وہی کہلاتا ہے جس کی طرف ابعاد محددہ کا انتساب ممکن ہوتا ہے۔ اگر لفظ کی دلالت کا مدلول ایک ہو، تو نفس ناطقہ کے قوائے ظاہری اور باطنی فقط ایک معنی میں صرف ہوتے ہیں اور اس معنی کی حدود سے خارج نہیں ہو پاتے، حتیٰ کہ انہیں یہ مہلت ہی میسر نہیں ہوتی کہ وہ معنی کی حدود سے باہر جھانک سکیں۔ اس صورت میں ابعاد محددہ معنی کی صفت قرار پاتے ہیں۔ واحد المعنی لفظ اپنے معنی کا ظرف نہیں ''مظروف'' ہوتا ہے۔ لفظ کی دلالت فقط ایک معنی میں مقید ہو اور سیاق کلام کا نظم کثرت تعبیر میں مانع ہو تو کلام کا ''معنوی نظام'' اپنے اظہار و بیان کا محدد ہوتا ہے۔ جس کلام کا ''معنوی نظام'' اظہار و بیان کا محدد ہو، اس کے ابلاغ کو ''محکم'' قرار دیا جاتا ہے اور جس کلام کا ''معنوی نظام'' اظہار و بیان کا محدد نہ ہو اس کا ابلاغ ''متشابہ'' کہلاتا ہے۔ اسی ''اظہار و بیان'' کو علیٰ حالہ برقرار رکھنا ناگزیر ہوتا ہے جس کے معانی کو اُن کے اظہار و بیان کے لیے ظرف کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ جس کلام میں لفظ کی حیثیت ظرف کی ہو اور معنی کی حیثیت مظروف کی ہو اس کے اظہار و بیان کو علیٰ حالہ قائم و برقرار رکھنا کلام کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری نہیں ہوتا۔ کلام کے اظہار و بیان کو فقط اسی صورت میں علیٰ حالہ برقرار رکھنا ناگزیر سمجھا جاتا ہے جب کلام کے معانی و مطالب کو ''ظرف'' کی حیثیت حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی ہے۔ ''کلام اللہ'' کے معانی و مطالب کو اس کے ''اظہار و بیان'' کے لیے ظرف کی حیثیت حاصل ہے اور اس کا ''اظہار و بیان'' جہاں قرآنی مطالب و مقاصد کا ظرف نہیں ہے وہ مقامات متشابہات کہلاتے ہیں، بایں ہمہ ان کی جگہ کوئی متبادل بیان نہیں رکھا جا سکتا۔ قرآن مجید کے الفاظ و بیان کو برقرار رکھنا اس کے معانی کو قائم و برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے بالکل اسی طرح جیسے اس کے معانی کو برقرار رکھنے کے لیے اس کے اظہار و بیان کا قائم رہنا ناگزیر ہے۔

نزول قرآن مجید کے ساتھ ہی اس کے الفاظ اور اظہار و بیان کو قائم رکھنے کی فقط کوشش ہی نہیں کی گئی بلکہ فقط انہی الفاظ اور اظہار و بیان کو ہی قائم رکھا گیا ہے جو ''منزل من اللہ'' ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ اور اظہار و بیان کو علیٰ حالہ برقرار رکھنے کے لیے نبی ﷺ کا خصوصی اہتمام فرمانا اور ''منزل من اللہ'' کلام کو بلا تاخیر کتابت میں لانا اور اس کے حفظ کا اہتمام کرنا ایسے اقدامات ہیں جو ''کلام اللہ'' کے الفاظ و اظہار کو اسی طرح قائم رکھنے کو ظاہر کرتے ہیں جس طرح وہ ''منزل من اللہ'' تھے۔ علاوہ ازیں اگر قرآن مجید کے اظہار و بیان کو علیٰ حالہ برقرار رکھنا ناگزیر نہ ہوتا تو قرآن مجید کے متشابہات کے لیے ایسے مترادفات کی عربی زبان میں کمی نہ تھی جن سے معنی کی یک جہتی متعین ہو جاتی۔ قرآن مجید کے متشابہات کو قائم و برقرار رکھنا ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ قرآن مجید کے مطالب و معانی کے لیے متبادل بیان کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اگر قرآن مجید کا متبادل بیان ''تقصیر متن'' نہ ہوتا تو متشابہات کو برقرار رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ پیغمبر ﷺ کا متشابہات کو علیٰ حالہ برقرار رکھنا، ان کے ''منزل من اللہ'' ہونے پر ایمان رکھنا اور ان کی تاویل کا تعاقب نہ کرنے کا حکم قرآن مجید کے الوہی اظہار و بیان پر قانع رہنے اور متبادل بیان نہ وضع کرنے کا اہتمام ہی تو ہے۔

کسی متن کا ناقابل ترجمہ ہونا اس کا لسانی وصف نہیں ہے، زبان میں مترادفات کا وجود ترجمے کے جواز کی مضبوط دلیل ہے۔ مترادفات متبادل اظہار و بیان کے لیے وضع کیے جاتے ہیں۔ کسی متن کا ناقابل ترجمہ ہونا لسانی وصف کے بجائے اس کا ''وجودی وصف'' ہے، جب متن کا وجودی وصف ناقابل انتقال ہو تو اس کا ترجمہ محض اس بنا پر محال ہوتا ہے کہ ترجمہ یعنی اس کا متبادل بیان اس ''وجودی منصب'' سے محروم ہوتا ہے جو اس کے متن کا ناگزیر وصف ہے۔ لسانی اعتبار سے اس وقت متن ناقابل ترجمہ ہوتا ہے جب اس کی ہیئت بیان ناقابل ابداع ہو، لیکن ایک ہیئت کلام سے دوسری ہیئت کلام میں انتقال کرنا عقلاً جائز خیال کیا جائے تو ہیئت کلام کی حیثیت کلام کے ''وجودی اصول'' کی نہیں رہتی، جس کلام کا وجود

☆ جب حقوق باہم متعارض ہوں تو ان میں جس کا وقت تنگ ہوا سے ترجیح حاصل ہوگی ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی ہیئت میں مقید ہو اور اپنی ہیئت سے باہر اس کا ''وجودی امکان'' معدوم ہو تو اس کے لیے ہیئت وجودی اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس متن کا اظہار و بیان اپنے مطالب و مقاصد کے لیے اسی طرح ناگزیر ہو جس طرح مطالب و معانی اظہار و بیان کے لیے ضروری ہوتے ہیں تو اس صورت میں ترجمہ کرنا ''تقصیر متن'' کہلاتا ہے۔ قرآن مجید کے ترجمہ یا ترجمانی میں مذکورہ دونوں مشکلات پوری قوت کے ساتھ موجود ہوتی ہیں، ترجمہ یا ترجمانی ''الوہی کلام'' ہونے کے وصف محروم ہوتا ہے اور قرآن مجید کے ہیئت کلام سے بھی محروم ہوتا ہے۔

قرآن مجید کے ''متشابہات'' کو کما ھی برقرار رکھنا ناگزیر ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے بھی ''کلام اللہ'' کے ''متشابہ'' کو کماہی برقرار رکھا جا سکتا ہے؟ کیا قرآن مجید کے ''محکمات'' کو ترجمے میں ''محکم'' کی حیثیت حاصل رہے گی؟ قرآن مجید کے ترجمے یا ترجمانی میں ''کلام اللہ'' کے 'محکم' اور 'متشابہ' کو اسی صورت میں قائم رکھنا ممکن ہے جب مترادفات میں بھی لفظ اور معنی کی ظرفیت کا وہی نظام کارفرما ہو جو قرآن مجید میں ہے، بصورت دیگر قرآن مجید کا ''محکم'' ترجمہ میں 'متشابہ' اور قرآن مجید کا ''متشابہ'' ترجمہ میں ''محکم'' بن سکتا ہے اور یوں قرآنی متن کے پورے معنوی نظام کا ابلاغ مکمل طور پر منقلب ہو جائے گا۔ جب متبادل بیان میں اصل متن کا معنوی نظام مکمل طور پر منقلب ہو جائے تو ''تقصیر متن'' کی اس سے زیادہ بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید کے ترجمے میں قرآن کا متشابہ متشابہ نہیں رہتا اور قرآن مجید کا محکم محکم نہیں رہتا، بلکہ محکم متشابہ اور متشابہ محکم بن جاتا ہے بایں ہمہ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ یا ترجمانی ممکن ہے تو اس پریشان کن حیرت اور حیران کن پریشانی کا ازالہ ناممکن ہے جو اس نوع کے فکر کا لازمی نتیجہ ہے۔ بالفرض قرآن مجید کے معنوی نظام کو علیٰ حالہ برقرار رکھنا ناگزیر نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ قرآن مجید کا متشابہ ترجمہ میں متشابہ کی صورت میں ہو اور قرآن مجید کا محکم ترجمہ میں محکم کی صورت میں ہو، تو اس کا اثر کیا ہوگا؟ اس کا اثر یہ ہوگا کہ قرآن مجید کے محکمات کا محکمات رہنا اور متشابہات کو متشابہات رہنا غیر ضروری قرار پائے گا جس سے قران مجید کی ''ام الکتاب'' قائم رہی گی نہ باقی رہے گی۔ نہ وہ آیات باقی رہیں گی جن کی تاویل کے درپے ہونے کو ابتغائے فتنہ قرار دیا گیا ہے اور نہ وہ آیات قابل فہم رہیں گی جن کی بنا پر انسان مکلّف قرار پاتا ہے۔ یہ اس قدر حیران کن قلب ماہیت ہے جسے کوئی بھی صاحب علم اور صاحب ایمان نظر انداز نہیں کر سکتا۔

قاری کی علمی ترجیحات ماتن کی ترجیحات سے ہم آہنگ نہ ہوں تو قاری کو ''حریت خیال'' کا

☆الغرم بالغنم ☆ خسارہ نفع کے ساتھ ساتھ ہی ہوتا ہے☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داعیہ متن کے مندرجات سے فقط بے خبر ہی نہیں رکھتا بلکہ مطالعہ کے حاصلات کو بھی غیر معتبر بنا دیتا ہے۔ قرآن مجید کے ایسے قاری کا غیر ذمہ دارانہ رویہ بے نتیجہ کبھی نہیں رہتا جو اسے ''تشکیل نو'' دینے کا خواہاں ہو۔ قاری کو متن قرآن سے ایسا کوئی نتیجہ پیدا کرنے کا شوق جو اس کے خیال میں علم وفکر کے لیے کسی نئی جہت کا نشان راہ بن سکتا ہے اور اگر اس کا ابلاغ کے لیے قرآن مجید کی ''تشکیل نو'' ضروری ہے تو اس اقدام سے قبل خود ''تشکیل نو'' کے مضمرات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ قرآن مجید کے ایسے قاری کی حیثیت عام قاری کی نہیں ہے جو اپنی مرضی سے متن میں معانی وضع کر سکتا ہے، یا متن کو اپنی ضرورت کی عینک سے دیکھ سکتا ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ و بیان پر جس طرح ''ختم نبوت'' کی مہر ثبت ہے بعینہ اسی طرح اس کے ''معانی'' پر بھی ختم نبوت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں نئے معانی تلاش کیے جا سکتے ہیں اور نہ اس کے معانی کے لیے نئے الفاظ وضع کیے جا سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے معانی و مفہوم کے لیے فقط وہی الفاظ معتبر ہیں جو نبی ﷺ پر نازل ہوئے ہیں اور وہی معنی درست اور معتبر ہیں جو نبی ﷺ نے سمجھے ہیں۔ جس نے قرآن مجید کے الفاظ سے وہی معنی و مفہوم نہیں سمجھے جو نبی ﷺ نے سمجھے اس نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ قرآن مجید پیغمبر ﷺ کے لیے جن معنوں میں ہدایت ہے فقط انہی معنوں میں ''ہدایت'' ہے اور قرآن مجید کا ''ہدایت'' ہونا فقط انہی الفاظ و بیان میں محدود و مقید ہے جسے قرآن مجید نے اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اس کے علاوہ قرآن مجید سے ''ہدایت'' کا طلب گار ہے اور اس کے بیان کو برقرار رکھے بغیر ''ہدایت'' کی جستجو کرتا ہے وہ یقیناً غلطی میں مبتلا ہے یا اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان الفاظ کو قائم و برقرار رکھے بغیر قرآن مجید سے ''ہدایت'' لینا ممکن ہے تو وہ بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ قرآن مجید سے میسر آنے والی ''ہدایت'' اس کے الفاظ و اظہار میں مضمر معانی میں مقید ہے اور اس کے معانی کے اس اظہار و بیان میں موقوف ہے جسے قرآن مجید نے اختیار کیا ہے یا جو ''منزل من اللہ'' ہے۔

وحی خداوندی کو عقل انسانی کے مساوی خیال نہ کیا جائے تو اس کا ترجمہ یا ترجمانی کی صورت میں متبادل بیان وضع کرنے کی سعی نہ کی جائے۔ وحی خداوندی کو بھی اسی طرح کا ایک ذریعہ علم مان لیا جاتا ہے جیسا کہ عقل ہے، عقل کے حاصلات کو منتقل کرنے لیے کسی مخصوص ہیئت بیان کی ضرورت ہے اور نہ متبادل بیان وضع کرنے میں کوئی مضائقہ ہے۔ عقل کے لیے زبان و بیان ایک وسیلہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ ''وحی الٰہی'' کو بھی اسی طرح کا ایک ذریعہ علم مان لیا جاتا ہے تو اس کے اظہار و بیان کی حیثیت بھی ایک ایسے وسیلے کی بن جاتی ہے جس کا متبادل بیان وضع کرنا بعض اوقات فقط ضروری ہی نہیں ہوتا مستحسن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ہوتا ہے۔ ''وحی خداوندی'' ایسی شے نہیں جس کو عقل انسانی کے درجے پر رکھا جائے اور عقل کے تعصبات سے اسے مزین کیا جائے۔ یہ عقل نظری کا فیصلہ ہے کہ کلام کا متبادل بیان بعض اوقات ناگزیر اور مستحسن ہوتا ہے۔ وحی خداوندی کے متبادل بیان کو مستحسن خیال کیا جاسکتا ہے نہ اسے ناگزیر سمجھا جاسکتا۔ وحی کو ایک حقیقت مان لینے کے بعد نفس انسانی اور جبریلؑ کے میڈیم کو ایک درجے پر نہیں رکھا جاسکتا۔ قرآن مجید کے الفاظ واظہار کا وسیلہ جبریل ہے اور ترجمہ کا وسیلہ نفس انسانی ہے۔ اگر نفس انسانی کا وسیلہ اور جبریلؑ کا وسیلہ مساوی وسائل کی حیثیت نہیں رکھتے تو ترجمہ کو درست کہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ اگر نفس انسانی اسی طرح کا وسیلہ علم نہیں جس طرح کا جبریلؑ ہے تو دونوں وسائل کو ایک مقام پر رکھنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ ترجمہ کی صورت میں الوہی معنی نفس انسانی کے میڈیم سے اظہار و بیان کی صورت اختیار کرتے ہیں جب کہ قرآن مجید کے ابلاغ کا میڈیم جبریلؑ ہے، دونوں میں فرق و امتیاز کی نوعیت ناقص و کامل نہیں ہے بلکہ یہ دونوں اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ایک ضرورت دوسرے سے پوری نہیں کی جاسکتی، ایک دوسرے کی ترقی یافتہ صورت نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ عقل ادنیٰ درجے کی وحی ہے اور وحی اعلیٰ درجے کی عقل ہے۔ عقل وحی کا بروز ہے نہ کمون ہے نہ جز ہے نہ کل ہے، وحی فقط وحی ہے اور عقل فقط عقل ہے، اندریں صورت ترجمہ یا ترجمانی قرآن مجید کا متبادل ابلاغ کیسے بن جائے گی۔ جو قاری قرآن مجید کے معانی کو قرآن مجید کے الفاظ سے باہر کردینے میں کوئی اشکال محسوس نہیں کرتا تو اسے چاہیے کہ پہلے اس امر پر ذہنی محنت کرے کہ کیا قرآن مجید قابل ترجمہ ہے یا نہیں ہے؟ اگر اس کی ذہنی کاوش اسے قرآن مجید کے قابل ترجمہ متن ہونے پر راضی کرلیتی ہے تو اسے ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ اپنی اہلیت کے بارے دوبارہ اطمینان حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

قرآن مجید کے متبادل اظہار و بیان وضع کرنے میں جو بھی غرض و غایت کارفرما ہو اور جو مصلحت بھی پیش نظر ہو، اس کے بارآور ہونے کا ادنیٰ ترین امکان قرآن مجید کی ''تقصیر متن'' کا روشن ترین امکان ہے۔ انسانی متون کے متبادل اظہار و بیان میں مذکورہ صورت حال پیش نہیں آسکتی اس لیے کہ انسانی متن کا ترجمہ یا ترجمانی بہت ممکن ہے کہ اس کو علیٰ حالہٖ برقرار رکھنے سے زیادہ ضروری ہو اور بہت ممکن ہے کوئی بڑی مصلحت فقط ترجمے یا ترجمانی سے ہی حاصل کی جاسکتی ہو۔ مصلحت کے حصول کو انسانی متن کے بجائے اس کے ترجمہ یا ترجمانی سے حاصل کرنا زیادہ بہتر ہو یا ناگزیر ہو تو ایسا کرنا مستحسن متصوّر ہوسکتا ہے۔ ترجمہ سے انسانی متن میں واقع ہونے والی کمی زیادہ سے زیادہ متن کے امتیازی اوصاف کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محو کرنے کا باعث بنے گی اور ممکن ہے یہ کمی اس مصلحت کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کی حامل ہو جو ترجمہ سے حاصل کی جائے۔ مگر جہاں تک ''الوہی متن'' کا تعلق ہے تو اس کا علیٰ حالہٖ برقرار رکھنا ہی سب سے بڑی فضیلت اور سب سے بڑی مصلحت ہے۔ کوئی مصلحت ''الوہی متن'' کو علیٰ حالہٖ برقرار رکھنے سے بڑی فضیلت قرار نہیں دی جاسکتی۔ مگر زیر بحث موضوع کا تقاضا محض یہ باور کرانا نہیں ہے کہ ''الوہی متن'' کو علیٰ حالہٖ برقرار رکھنا افضل الفضائل ہے، زیر بحث موضوع یہ ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ علمی یا ایمانی اعتبار سے ناممکن ہے۔ ہم نے اوپر کی معروضات میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید کا متبادل بیان وضع کرنا عقلاً محال ہے اور ایماناً ناقابل قبول ہے۔ آخر الامر ایک انتہائی اہم اصول بیان کیا جاتا ہے، امید ہے صاحبان فکر و دانش اسے احتیاط سے دیکھنے کی سعی کریں گے۔ ''قرآن مجید پیغمبر ﷺ کی نبوت ہے، نبوت کا بدل ناممکن ہے، اس لیے قرآن مجید کا ترجمہ یا ترجمانی ناممکن ہے محال ہے''۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

نوٹ: فقہ اسلامی کے سال ۲۰۱۰ اور ۲۰۱۱ کے شمارے جلد نمبر ۱۱۔ اور ۱۲ محدود تعداد میں مجلد دستیاب ہیں۔ صرف مکتبات/لائبریریز/مدارس اور تعلیمی اداروں کے لئے جاری کئے جاسکتے ہیں۔ قیمت فی جلد صرف پانچ سو روپے علاوہ ڈاک خرچ۔

﴿برائے رابطہ﴾

حافظ عبدالرحمٰن ثانی خطیب ہاؤس، پی ۹۸ پنجاب ٹاؤن،

ملیر ہالٹ کراچی......فون 0312-2090807

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی
خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی

☆ ما ابیح للضرورۃ یقدر بقدرھا ☆ جو چیز ضرورتاً مباح کی گئی ہو اس کی مقدار کا تعین بھی اسی کے مطابق ہوگا ☆

© rasailojaraid.com